حالات ہنروران

از

لیفٹیننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید صاحب

حالات ہنروران درحقیقت ایک "مختصر مگر مفید و احد قلمی نسخہ ہے جس سے ہندو پاکستان کی علمی دنیا کو اوّلین مرتبہ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی۔ ایم۔ اے۔ ڈی لٹ۔ نے روشناس کردایا ۱۹۳۲ء میں جب آپ انگلستان تھے تو مسٹر وکنس کے توسط سے یہ مخطوطہ انہیں مستعار ملا اور اس کی ایک نقل انہوں نے اپنے پاس رکھ لی جو بعد ازاں انہوں نے ایک مقدمے کے ساتھ ۱۹۳۶ء میں شائع کی۔ ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی سے ہندو پاکستان کے ارباب علم و فن بخوبی واقف ہیں۔ آپ تاریخی تحقیقات میں ید طولا رکھتے ہیں۔ اور بعض بعض تحقیقات تو بڑی عرق ریزی سے آپ نے تکمیل تک پہنچائی ہیں۔ خود ایک نہایت اچھے خطاط ہیں اور ایک مشہور خطاطی و نقاشی خاندان سے متعلق ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ آپ نہایت مخلص علم دوست ہیں اور بڑی جستجو کے بعد قلم اٹھاتے ہیں آپ کی بیشتر تحریریں مختصر مگر پُر از معلومات ہوتی ہیں، چنانچہ آپ نے ایک بار انگلستان میں مسلمان مصورین کی قاموس لکھنے کے لئے تمام کتب خانے مخطوطوں کے لئے دیکھ مارے، خوش قسمتی سے آپ کو یہ واحد نسخہ دستیاب ہو گیا جس کو ایک مختصر سے مقدمے کے ساتھ آپ نے شائع کر دیا۔ یہ مخطوطہ مولانا دوست محمد کا لکھا ہوا ہے جو بہرام مرزا کی سرکار میں کتابدار تھے۔ ڈاکٹر صاحب مقدمہ میں رقمطراز ہیں۔" مجھے دیر سے تلاش تھی کہ کوئی ایسی تالیف دستیاب ہو جس کو خطاطوں مصوروں کا مستقل تذکرہ کہا جا سکے۔ یوں تو خطاطوں کے حالات میں بعض تحریریں ملتی ہیں مگر مصوروں کے سلسلہ میں سوائے ایک ترکی تصنیف "مناقب ہنروران" مصنفہ عالی افندی متوفی ۱۰۰۸ھ اور سوائے مولانا دوست محمدؐ کے دیباچہ مشمولہ مرقع بہرام مرزا کے کچھ نہیں ملتا۔ اس میں شک نہیں کہ تاریخ اشہدی عالم آرائے عباسی، حبیب السیر، تحفہ سامی، لطائف نامہ فخری میں نقاشوں اور خطاطوں کا ذکر ملتا ہے۔

مجھے اس وقت علم خطاطی یا نقاشی سے بحث کرنا مقصود نہیں، یہ کام ماہرین فن کا ہے۔ یہاں صرف ایک نئے اور نایاب مخطوطے سے تعارف کرانا مقصود ہے جو اتفاقاً نامکمل حالت میں میرے ہاتھ گذشتہ سال طہران میں لگ گیا چونکہ بعض ایسے خطاطوں کا اس میں بھی ذکر ہے جنہیں حالات ہنروران کے مصنف نے بیان کیا ہے، اس لئے شائقین کے فائدہ کے لئے اس کے مفید اجزاء دہرادونگا۔ اور کچھ مختلف مفید امور جن کی طرف ڈاکٹر چغتائی صاحب نے اشارہ کیا ہے اس پر بھی روشنی پڑ جائے گی۔ ممکن ہے محققین اس مخطوطہ کی مکمل جلد تلاش کرنے میں کامیاب ہوجائیں اور اس سے تاریخ خطاطی میں اضافہ ہو سکے۔

یہ مخطوطہ تاریخ کلام الملوک کا ایک جزو ہے۔ گذشتہ سال جب میں طہران میں تھا تو ایک انطیق فروش کی دکان پر دھاوا بولا۔ میری عادت تھی کہ دوپہر کے کھانے کے بعد میں انطیق فروشوں کی دوکانوں پر گردش کیا کرتا تھا، اس مرتبہ بڑا تعجب ہوا کہ خریدنے کے قابل مواد بہت کم ایران میں رہ گیا ہے مجھے پہلی مرتبہ ۱۹۴۷ء میں بھی ادھر جانے کا اتفاق ہوا تھا لیکن تب حسب منشاء چیزیں زود اور ارزاں دستیاب ہوجاتی تھیں۔ مگر گذشتہ سال تو حیرت کی انتہا نہ رہی کہ بصد جستجو کام کی کوئی چیز بھی فراہم نہ ہوسکی اور اگر کبھی کبھار کچھ مل بھی گیا تو اس قدر گراں کہ خریدنے کی ہمت نہ پڑتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے گذشتہ جنگ عظیم کے موقعہ پر متفقین کے سربازوں نے انطیق کے خزانے ایران سے خرید کر کے یورپ اور امریکہ پہنچا دیئے ہیں!

خیر۔ ایک یہودی انطیق فروش کے ہاں ایک روز دھاوا جو بولا تو اس نے اپنی دکان کے پائیں میں ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا جہاں کچھ انبار پڑا تھا۔ میں داخل ہوگیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ نصف کمرہ جس میں روشنی کا کم گذر تھا، ردی سے بھرا پڑا ہے۔ کہیں ٹوٹے ہوئے چینی کے برتن ہیں اور کہیں بگڑی شکلوں والے تانبے کے آفتابے ہیں اور کہیں کاغذوں کا انبار لگا ہے، گرد اس قدر تھی کہ الاماں! میں نے ہمت کر کے اس انبار کو الٹا سیدھا کرنا شروع کیا۔ کوزہ گری کے دو دو نمونے دیکھے کہ آنکھیں چکاچوند ہوگئیں، مگر بہت شکستہ! جو کاغذ اٹھایا کسی کتاب کا ورق نکلا۔ کوئی مکمل مخطوطہ ہاتھ نہ آیا۔ اتنے میں ایک کونے سے جو کاغذوں کا بستہ اٹھایا تو اس میں چند قطعات قلمی برآمد ہوئے۔ میں نے انہیں علیحدہ کر لیا اور اس میں مزید تلاش

جاری رکھی۔ اتنے میں کچھ ورق نہایت خوشخط اور اچھی حالت میں برآمد ہوئے۔ دیکھا تو تاریخ کلام الملوک کے چند صفحے تھے۔ یہ بھی علیحدہ کر دئے۔ کمرے سے باہر نکلا تو کہنیوں تک کوٹ گرد آلود تھا! یہودی نے ایک نگاہ اِن مخطوطات پر ڈالی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ قیمت بتا رہا ہے۔ خیر مناسب قیمت پر فیصلہ ہوگیا اور میں یہ اوراق پریشان لے کر ہوٹل لوٹا۔ مکرّر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ سودا برا نہیں رہا۔ اب اس کتاب کے متعلق کچھ سن لیجئے۔

تاریخ کلام الملوک بڑی ضخیم کتاب معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ اجزا جن کے کچھ اوراق میرے ہاتھ لگے یہ بھی اچھی خاصی کتاب ہوگی۔ میرے پاس صفحہ اوّل کے بعد جو کہ منقش ہے، چوتھا اور پانچواں صفحہ ہے اور اس کے بعد دیگر اوراق صفحہ (اسّی) سے شروع ہو کر (اکانوے ۹۱) تک ہیں اس کے بعد پھر صفحات گم ہیں ...... اور صرف ایک ورق اس کے بعد اور ہے جو ۹۴ اور ۹۵ ہے۔ مخطوطہ نہایت خوشخط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے، کاغذ نہایت عمدہ اور سنہری حاشیہ ہر صفحے پر ہے۔ ہر صفحے پر آٹھ سطریں ہیں اور صفحے کی لمبائی چوڑائی آٹھ انچ چار انچ ہے (۴ × ۸)۔ مخطوطہ یوں شروع ہوتا ہے۔

"ایں یک نُغیست از اجزائی تاریخ کلام الملوک در بدید آمدن خط و احوال ارباب خط از تالیفات مخدوم امجد میرزا محمد یوسف لالیجی است کہ بعنوان مسودہ و تذکرہ خاطر تحریر شد کہ بروزگار بماند"

ان اوراق سے کہیں بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کتاب کب لکھی گئی اور خطاط کون ہے۔ لیکن ان گنتی کے اوراق میں چند ایک خطاطوں کا ذکر ہے، جن کا ذکر ڈاکٹر عبداللہ چغتائی والے مخطوطے میں بھی ہے صرف ایک بات غور طلب ہے اور وہ یہ کہ میر علی تبریزی جس نے نستعلیق ایجاد کیا اس کے متعلق حالات ہنروران سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ امیر علی تبریزی اور میر علی تبریزی ایک ہی شخص تھے یا دو مختلف آدمی تھے چنانچہ ڈاکٹر چغتائی صاحب نے بھی اپنے انگریزی کے دیباچہ میں یہ شک ظاہر کیا ہے اور لکھا ہے کہ "شاید" یہ دونوں نام ایک ہی شخص کے نام تھے۔ چنانچہ مخطوطہ حالات ہنروران کے صفحہ ۵ پر یہ نام اس طرح آیا ہے۔

"مخترع خط نستعلیق حضرت استادی وقبلہ الکتابی خواجہ ظہیر الدین میر علی تبریزی بودہ اند وانتساب این سلسلہ را از ایشاں تجاوز دادہ بدیگرے نمی تواں رسانید ....."

پھر اسی مخطوطہ کے صفحہ ۳۳ پر یوں لکھا ہے۔

"دیگر از شاگرداں ایشاں استاذ شمس الدین است کہ در عہد سلطان اویس تربیت یافت ودر شاہ نامہ بقطع مربع کہ بخط امیر علی بود مواضع ساخت ...."

ڈاکٹر چغتائی صاحب نے اپنے انگریزی کے دیباچہ میں صفحہ سات پر یوں شک ظاہر کیا ہے

23.3 "AMIR ALI AND MIR ALI OF TABREZ (P. 15)

IS PERHAPS ONE AND THE SAME PERSON."

آئیے اب ہم ذرا اپنے اوراق پریشان میں اس شخصیت کے متعلق جستجو کریں کہ یہ دراصل کون تھے؟ صفحہ (۸ الف) پر یہ عبارت شروع ہوتی ہے۔

" اوراق مجالس النفائس کہ از تالیفات ترکی امیر کبیر امیر علی شیر است ودر خانہ امیر بیگ مرمر نوشتہ خط آں جناب است مشہور است ہنگامیکہ شاہی بیگ خان اوزبک ہرات را گرفت مولانا قطعہ نوشتہ بدید ن اورفت آں ترک جاہل قلم بدست گرفتہ مولانا را پیش طلبید و آں قطعہ را تعلیم می داد واصلاح میکرد بالجملہ مولانا ہماں ایام بہ مشہد مقدس آمد .... سوائے میر علی کہ برابری با استاد مینماید پنج نفر دیگر مشہور آفاق اند از آں جملہ محمد ابریشمی وسلطان محمد نور وسلطان محمد خنداں وزین الدین محمود ومیر علی جامی"

اس اقتباس سے تین شخصیتیں واضح ہوجاتی ہیں۔ ایک امیر علی شیر جسے امیر کبیر کہا گیا ہے۔ دوسری شخصیت میر علی کی ہے اور تیسری میر علی جامی ہیں! آئیے اب دیگر اوراق میں دیکھیں آیا ان تین شخصیتوں پر کچھ اور روشنی پڑتی ہے؟

اس مخطوطہ کے صفحہ ۸۴ پر میر علی کا حال یوں لکھا ہے۔

"میر علی از سادات حسینی دار السلطنت ہرات است درخط اسلوب وقاعدہ جدید بنا نہاد واز ہمکناں کوی مسابقت در ربود جناب میر درکمال حسن وصباحت وقابلیت بودہ"

اس کے عقبی بعد سرخی کے ساتھ جامی لکھا ہے تحریر یوں چلتی ہے۔

"جامی از جملہ عشاق است در اوائل حال خدمت مولانا زین الدین محمود مشق میکرد و پس ازاں در مشہد مقدس خدمت سلطان علی رسید مشق و تعلیم گرفت و در آنجا نشو و نما یافت جلی و خفی وقطعہ نویسی را بدرجۂ اعلیٰ رسانید و خطار ابر طاق بلند نہاد کہ دست ہیچ خطاط بآں نمیرسد از جملہ یادگار او در ایں زماں ایں اشعار است کہ بقلم جلی نوشتہ .... ؛

سلام علی آل طٰہٰ و یٰسین   سلام علی آل خیر النامین

ایں ہفت شعر است در آخر اسم خود را چنیں رقم کردہ است ... خادم آل علی میر علی الحسینی ...."

مندرجہ بالا اقتباسوں سے ایک اشتباہ تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ ناموں کی تفصیل کے تحت دو مختلف سرخیاں کیوں دیدی گئیں؟ یعنی اوّل میر علی کی سرخی اور دویم جامی کی سرخی! اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو مختلف شخصیتیں تھیں۔ مگر اقتباس آخری کے خاتمہ پر جامی اپنے کو خادم آل علی میر علی الحسینی لکھتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں شخصیتیں ایک ہی تھیں۔ اور جامی کی سرخی کاتب نے غلطی سے دیدی ہے اس کی ضرورت نہ تھی جب ذکر ایک ہی شخص کا ہو رہا ہے۔

میرا ذاتی خیال ہے کہ مندرجہ بالا اقتباسات سے جن شخصیتوں کا ذکر ملتا ہے یعنی امیر کبیر امیر علی شیر، میر علی، میر علی جامی اور میر علی الحسینی، یہ سب ایک ہی شخص کا ذکر ہے۔

پیشتر کہ ہم کوئی قطعی فیصلہ کرسکیں آیئے ذرا الجھاوران اوراق کی ورق گردانی کریں۔

صفحہ ۸۸ پر بھی یہ عبارت ملتی ہے۔

"چوں عبید خاں اوزبک در ایام دارائے شاتر از یام مرزای دللکی شاملو ہرات را گرفت میر علی را ہمراہ سایر اعیان انجا در شہور ۹۳۵ھ بہ بخارا فرستاد جناب میر مدتی در آنجا در کتاب خانہ عبد العزیز خاں پسر عبید خاں بکتابت اشتغال داشت ...... عاقبت در ۹۴۰ھ در آنجا رحلت نمود۔"[۳۱]

مندرجہ بالا اقتباس میں تاریخ وفات ۹۴۰ھ دی گئی ہے، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی والے مخطوطے میں تاریخ وفات کہیں بھی درج نہیں۔ البتہ میری نگاہ سے اتفاقاً ایک اور مقام پہ ان کی ایک تاریخ قطعہ گذری

۳۱ — یہ خط کشیدہ الفاظ میری سمجھ میں نہیں آسکے۔ بعینہ نقل کر دیے گئے

ہے پروفیسر محمد ضیاء الدین، جو کہ وشو ابھارتی، شانتی نکیتن میں اسلامیات کے پروفیسر تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب اسلامی خطاطی میں صفحہ ۳۰ پر ایک سعدی کی گلستاں کے مخطوطہ کا عکس دیا ہے، جو میر علی کا لکھا ہوا ہے، یہ مخطوطہ ان کی تحقیق کے مطابق بخارا میں شاہ عبد العزیز بہادر کے لئے ۹۵۰ھ میں لکھا گیا تھا۔ اب مندرجہ بالا اقتباس سے ہمیں یہ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ عبید خاں اوزبک نے انہیں ۹۳۰ھ میں بخارا روانہ کر دیا تھا مگر ساتھ ہی ان کی رحلت کی تاریخ جو درج ہے تو وہ ۹۴۰ھ میں لکھی گئی اور اس سعدی کی گلستان والے مخطوطے سے اس تاریخ کا تطابق نہیں ہوتا، بلکہ معاملہ اور پیچیدہ ہو جاتا ہے۔

اب آخر میں ان اوراق پریشان کے آخری صفحے کی آخری تین سطریں اور پریشان کن ہیں۔ شیخ عبداللہ کاتب کی سرخی دی گئی ہے اور مولف یوں رقمطراز ہے۔

"شیخ عبداللہ کاتب از کتاب مقرر دار السلطنت ہرات است قریب بچہل و پنج سال با امیر کبیر امیر علی شیر بودہ است!"

ان پیچیدگیوں کی موجودگی میں کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ اور پھر ستم یہ ہے حالات ہنروران میں جہاں امیر علی یا میر علی کا ذکر ہے انہیں تبریز سے منسوب کیا گیا ہے اور ہمارے والے مخطوطے میں ہرات سے! افسوس ہمارے یہ اجزا تاریخ کلام الملوک مکمل نہیں ورنہ چہ عجب کہ قطعی فیصلہ ہو گیا ہوتا۔ اس مختصر سے مقالے کو لکھنے کا مدعا بھی یہی ہے کہ اگر کہیں اس تاریخ کا اور نسخہ موجود ہو تو اسے دیکھ کر یہ تحقیق مکمل کی جا سکتی ہے۔ اگر کسی صاحب کے پاس اس کا نسخہ نکل آئے تو از راہ کرم ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی سے خط و کتابت کر کے انہیں مرحمت فرمایا جائے۔ میں سمجھتا ہوں اس کام کے وہی اہل ہیں۔

اب ایک اور شخصیت کی طرف غور فرمائیے جس کا ذکر ان دونوں مخطوطوں میں ہے۔ یہاں بھی ناموں میں وہی تفاوت ہے، اور اصل نام کا پتہ نہیں چلتا۔ حالات ہنروران میں صفحہ ۷ پر یہ بیان ہے۔

"مولانا سلطان محمد خنداں .... شاگرد حضرت مولانا سلطان علی اند دیگر فضائل آبی مرحومی مولانا محمد ابریشمی شاگرد مولانا سلطان علی ست واز جملہ استادان است"

بالا میں ایک اقتباس اجزاء تاریخ کلام الملوک سے گذر چکا ہے جس میں پانچ شخصوں کے نام

گنوائے ہیں جو یہ ہیں، محمدؐ ابریشمی، سلطان محمد نور، سلطان محمد خنداں، زین الدین محمود۔ اور میر علی جامی اب ان میں سلطان علی کا ذکر کہیں بھی نہیں! اور حالاتِ ہنروران کا بالا اقتباس کہ رہا ہے کہ "محمد ابریشمی شاگرد مولانا سلطان علی است"

پانچ ناموں والا اقتباس جو اوپر گذر چکا ہے اگر اسے ایک بار پھر دیکھنے کی زحمت گوارا کرلیں تو معلوم ہوگا کہ یہ اقتباس میر علی جامی پر ختم ہوتا ہے۔ اس عبارت کے عین بعد تحریر یوں جاری رہتی ہے۔ اور میر علی جامی کے عین بعد محمدؐ ابریشمی کا نام سرخی میں دیا گیا ہے۔

"و میر علی جامی۔ محمدؐ ابریشمی کہ از شاگرداں او بودہ ایں ابیات را گفتہ و بر لوحِ مزار مولانا بخطِ خود نوشتہ"

اس شعر کے بعد ایک حیران کن فقرہ ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

"ایں رباعی را کہ نیز از اشعار سلطان علی است محمد ابریشمی در حاشیہ آں لوح نوشتہ۔ رباعی

دعدم والم بود عالم دون	زنہار در وجوی آرام و سکون
چوں اکثر عجز و عالم آخر الم است	رفیتم ازیں الم دل غرقہ بخون

کتبہ محمدؐ ابریشمی در آخر نوشتہ است مولانا سلطان علی شعر نیز میگفتہ۔"

غور فرمایئے کہ سلطان محمد نور اور سلطان محمد خنداں کا ذکر کرتے کرتے یہ سلطان علی کہاں سے نکل آیا؟ اب حالاتِ ہنروران کا ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو۔ صفحہ ۷ پر لکھا ہے۔

"دیگر مولانا قاسم بسیار نازک و پسندیدہ نوشتہ شاگرد مولانا سلطان محمد نور است و بخدمت مولانا سلطان محمد خنداں نیز رسیدہ و تعلیم گرفتہ۔"

اس اقتباس سے تو یہ ظاہر ہے کہ سلطان محمدؐ نور، سلطان محمد خنداں اور سلطان علی تین مختلف شخص تھے اوراقِ پریشان سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی لیکن احتمال ہے کہ اگر اس کتاب کے دیگر اجزا دستیاب ہوجاتے تو وہاں بھی ان تینوں شخصیتوں کو ہم علیحدہ علیحدہ دیکھ پاتے۔

اس تحقیق کو لپیٹتے ہوئے یہ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میر علی کے مختلف ناموں سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ یہ مختلف اشخاص تھے۔ افسوس ہے کہ اجزا تاریخ کلام الملوک ہمارے پاس

نامکمل شکل میں ہے اگر کچھ اور ورق دستیاب ہو گئے ہوتے تو امید ہو سکتی تھی کہ یہ بھی تحقیق پایۂ تکمیل تک پہنچ سکتی۔ فی الحال اسے تشنہ ہی چھوڑنا پڑ گیا۔ میر علی کی تاریخ وفات میں بھی جو تفاوت ہے وہ بھی افسوسناک ہے ہمارے تذکرہ نگار اکثر ان امور پر نظر تعمق نہیں رکھتے ورنہ ایسے معمولی مسائل پیدا ہی نہ ہوتے

تفسیر مظہری

تمام عربی مدرسوں کتب خانوں اور عربی جاننے والے اصحاب کے لئے بیمثیل تحفہ

ارباب علم کو معلوم ہے کہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی یہ عظیم المرتبہ تفسیر مختلف خصوصیتوں کے اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتی لیکن اب تک اس کی حیثیت ایک گوہر نایاب کی تھی اور ملک میں اس کا ایک قلمی نسخہ بھی دستیاب ہونا دشوار تھا۔

الحمد للہ۔ سالہاسال کی عرق ریز کوششوں کے بعد ہم آج اس قابل ہیں کہ اس عظیم الشان تفسیر کے شائع ہو جانے کا اعلان کر سکیں اب تک اس کی حسب ذیل جلدیں طبع ہو چکی ہیں جو کاغذ اور دیگر سامان طباعت و کتابت کی گرانی کی وجہ سے بہت محدود مقدار میں چھپی ہیں۔

ہدیہ غیر مجلد جلد اوّل تقطیع ۲۲×۲۹/۸ سات روپے جلد ثانی سات روپے جلد ثالث آٹھ روپے رابع پانچ روپئے خامس سات روپئے سادس آٹھ روپئے سابع آٹھ روپے ثامن آٹھ روپے۔

کل قیمت ۸ جلد ۵۸